

ڈاکٹر حافظ احمد دین

نظام محاصل کا تاریخی پس منظر اور اس میں اسلامی انقلابی اصلاحات

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دو سلطنتیں عروج پر تھیں۔ مغرب میں رومی سلطنت اور مشرق میں ایرانی سلطنت۔ اور ان سے ملحقہ علاقے زیادہ تر انہیں کے زیر نگیں تھے۔ زیر نظر مقالہ میں انہی دو سلطنتوں کے حوالہ سے نظام محاصل کا ایک جائزہ پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ ان کا نظام محاصل مبنی بر انصاف نہیں تھا۔ بلکہ ظالمانہ اور جاہلانہ تھا۔ جہاں تک موجودہ نظام محاصل کا تعلق ہے۔ یہ بھی انہی خطوط پر استوار ہے۔ جن پر قدیم رومی و ایرانی نظام قائم تھا۔ دونوں کا منہجائے نظر عوام کا استحصال اور مخصوص طبقہ امراء کے مفادات کا تحفظ و نگہداشت ہے۔

مقالہ کے آخر میں نظام محاصل کے بارے میں حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبعین کے اصلاحی اقدامات کا مختصر حال بیان کر کے واضح کیا گیا ہے کہ انسانیت کی فوز و فلاح انتہا پسند معاشی نظاموں کی بجائے فقط اسلام کے عادلانہ معاشی نظام میں مضمر ہے۔ آج بھی اگر ٹیکس کے نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے تو معاشرے سے طبقاتی فرق بھڑکھڑائی انداز میں کم کر کے اسے ایک مثالی معاشرہ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

یہ مقالہ درج ذیل تین عنوانات پر مشتمل ہے۔

- ۱۔ قدیم نظام محاصل
- ۲۔ جدید نظام محاصل
- ۳۔ نظام محاصل میں اسلامی انقلابی اصلاحات

۱۔ قدیم نظام محاصل

زمانہ قدیم میں ٹیکسوں کا جدید تصور ناپید تھا۔ طاقتور قبیلہ خود سے کمزور قبیلہ کو زیر کر کے اپنا غلام اور باجگزار بنا لیتا تھا۔ فاتح فیملی مغلوب قبیلہ کی معاشی بد حالی کی وجہ سے دولت کی صورت میں ان سے ٹیکس وصول نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ وہ ان کی غربت سے یوں فائدہ اٹھا سکتے تھے کہ وہ انہیں اپنی خدمت پر مامور کر دیں۔ چنانچہ اس زمانہ میں رقم (مالیت) کی بجائے خدمت (محنت) ایک قسم کا ٹیکس تھا۔ جسے وہ اپنے ماتحت لوگوں سے وصول کرتے تھے۔ قرآن مجید نے غلامی کی اس صورت کو حضرت موسیٰ اور فرعون کے باہمی مکالمے کی شکل میں یوں واضح کیا ہے:

وتلك نعمة تمنها على ان عبدت بنی اسرائیل (۲۲:۴۶)

اور کیا آپ کا یہی احسان ہے جو تو مجھ پر جتلاتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔

غلامی کا یہ دستور صرف مصر کی سر زمین تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی اس کا رواج تھا۔ بقول ایچ۔ جی۔ ویلز (H.G.Wells) قدیم روم کے ایٹر سکنز (Etruscans) کا یہ پسندیدہ شغل تھا کہ لڑائی میں اپنے غلاموں کو جھونک دیں (۱) بلکہ بعض مواقع پر وہ تفریح طبع کی خاطر انہیں اکھاڑے میں درندوں سے بھی لڑا دیتے تھے۔ (۲) جنگی قیدیوں کو غلام بنا لینے کے علاوہ رومیوں کا یہ بھی دستور بن گیا تھا کہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے سبب قرض خواہ مقرض کو اپنا غلام بنا لے۔ (۳)

غلامی اور خدمت گزاری کے اس بھیاںک دور سے نکل کر مصیبت زدہ انسانیت رفتہ رفتہ ظالمانہ محاصل کے دور میں داخل ہو گئی۔ مگر یہ دور بھی اپنے نتائج کے لحاظ سے غلامی کے دور سے زیادہ بہتر نہیں تھا جس کی تصریح مولانا تقی امینی کے اس بیان سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ جو

1- H.G.Wells, A Short History of the World: (1953) P-145, The White Friers Press Ltd, London Tonbridge.

2- 1B id P-144

3- Sir William Smith: A Smaller History of Roome: (1902), William Domes and Sons Ltd, London and Becceds.

انہوں نے اسے جے گرانٹ (A.J.Grant) کے حوالہ سے تیسری صدی عیسوی کے یورپ کے بارے میں دیا ہے (۳) اور یہی کچھ حالت یورپ میں چوتھی (۵) پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی (۶) میں رہی۔

نیکس مظالم کی تباہ کاری صرف رومیوں کے اپنے ملک تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ لوگ بھی اس کی زد میں آ گئے تھے جو رومی سلطنت کے باجگزار بن کر زندگی گزار رہے تھے۔ بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی، رومیوں کے زیر تسلط شاہی اپنے ہی ملک میں غریب الوطن افراد کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔ بسا اوقات وہ نیکس کی ادائیگی کی خاطر اپنی اولاد کو فروخت کرنے پر بھی مجبور ہو جاتے تھے۔ بیگار سسٹم کا رواج عام تھا۔ جس کی بدولت رومی حکومت نے وہ ادارے اور کارخانے تعمیر کیے جو آج بھی رومیوں کا کارنامہ سمجھے جاتے ہیں (۷) اور یہی کچھ حالت ان

۴۔ مولانا تقی المصطفیٰ لکھتے ہیں ”بدنامی سے تجارت کا بازار سرد پڑ گیا تھا۔ فوجی اغراض کے لیے آمدنی بڑھانے کی سخت ضرورت تھی جس کے لیے لوگوں پر نئے نئے محصول لگائے جا رہے تھے۔ حکام اور محصل جمع کرنے والوں کی تعداد میں بے حد اضافہ کر دیا گیا تھا۔ اور اس کے بوجھ سے رعایا دبے گئی تھی۔ وہاں کی آبادی گھٹتی تھی۔ اور جائیدادیں امیروں کے پاس آتی جاتی تھیں۔ اور آزاد کا شکار مالکان جائیداد کے غلام بننے جا رہے تھے۔ ایسی آسامیوں کو ”کالونیائی“ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ قبضہ زمین کو نوعیت وہی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی جس کو زمانہ مابعد میں جاگیریت (Feudalism) سے تعبیر کرتے ہیں“ حوالہ کے لیے دیکھئے مولانا تقی کی کتاب ”اسلام کا زرعی نظام“ ص: ۲۱۶۔

۵۔ مولانا چوتھی صدی عیسوی میں یورپ کی معاشی بدحالی کے بارے میں رقم طراز ہے۔ ”فوجیوں، عہدیداروں اور دربار کے کثیر اخراجات کے لیے نہ صرف رعایا پر محصول کی بھرمار ہو رہی تھی۔ بلکہ ان کے وصول کرنے میں یہاں تک ظلم روا رکھا جاتا تھا کہ غریب محصول دینے والے کے پاس ایک پیسہ بھی باقی نہ رہ جائے۔ اور خزانہ شاہی معمور رہے۔“ اسلام کا زرعی نظام۔ ص: ۲۱۶-۲۱۷۔

۶۔ یورپ میں نیکس مظالم کی جو کیفیت پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں رہی اس کے بارے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بیان ملاحظہ ہو ”روم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بد نظمی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ رعایا کے بے انتہاء مصائب کو نظر انداز کر کے نیکس دو گئے جو گئے کر دیے گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ملکی باشندے اپنی حکومت سے نالاں تھے اور وہ ملکی حکمرانوں کی بجائے دوسری حکومتوں کو ترجیح دیتے تھے“ دیکھئے مولانا کی کتاب ”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“ (۳۱۹ء) ص: ۴۳۳، مجلس نشریات اسلام، نظام آباد کراچی۔ ۱۸۔

۷۔ حوالہ بالا ص: ۸۱-۸۲۔

مولانا آگے ان محصولات کی یہ تفصیلات دیتے ہیں:

”شاہی رعایا پر لازم تھا کہ وہ حکومت کا نیکس ادا کرے اور اپنی تمام پیداوار اور آمدنی کا دسواں حصہ اور اس الممال کا نیکس داخل کرے۔ فی کس رقم مقرر تھی۔ جس کی ادائیگی لازم تھی۔ اس کے علاوہ رومی قوم کے کچھ دوسرے اپنے ذرائع آمدن بھی تھے۔

مصریوں کی تھی جو رومی سلطنت کے رعایا بن گئے تھے۔ (۸)

مغرب میں رومی سلطنت نے ظالمانہ ٹیکس عائد کر کے لوگوں کو بے دست و پا بنا دیا تھا اور مشرق میں ایرانی سلطنت نے ناجائز ٹیکس بڑھا کر رعایا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے کسانوں نے کھیتی باڑی چھوڑ کر عبادت گاہوں اور خانقاہوں کی راہ اختیار کر لی۔ بیکاری کی بنا پر لوگ جرائم پیشہ بن گئے اور ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کا مرض عام ہو گیا۔ (۹)

ایران میں ایک جانب عوام غربت کی چکی میں گھن کی طرح پس رہے تھے اور دوسری جانب حکمران اور امراء دنیا کی حالت زار سے بے نیاز داد و عیش دے رہے تھے۔ چنانچہ پارسی مورخ مکاریوس کے بیان کے مطابق۔ کسری پرویز کے پاس بارہ ہزار عورتیں تھیں اور پچاس ہزار اصل گھوڑے۔ اس کے پاس جو سامان قییش اور نقد جو اہر تھے۔ اس کا تو اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ جب کہ اس کا محل اپنی شان و شوکت اور عظمت میں لامتناہی تھا۔ (۱۰)

فرش بہار جس پر بیٹھ کر تاجداران ایران موسم خزاں میں شراب پیتے تھے۔ مورخین نے اس کی یوں منظر کشی کی ہے:

(بقیہ حاشیہ نمبر ۷) مثلاً چنگی، کاٹنیں، محاصل۔ اس کے علاوہ جو قطععات گندم کی کاشت کے قابل ہوتے اور چراگا ہیں۔ یہ سب ٹھیکہ پر اٹھا دی جائیں۔ یہ ٹھیکدار ”عشائرین“ کہلاتے تھے۔ یہ لوگ حکومت سے تحصیل محاصل کے اختیارات خرید لیتے اور رعایا سے مطالبات وصول کرتے۔ ہر صوبہ میں ٹھیکیداروں کی متعدد کمپنیاں تھیں ہر کمپنی کے پاس کچھ فشی اور محصل ملازم ہوتے تھے۔ جو اپنے افسروں اور بالکوں کے انداز میں پیش آتے اور جس قدر ان کو لینے کا حق تھا اس سے زیادہ وصول کرتے۔ اور لوگوں کو فراغت و راحت کے وسائل سے محروم کرتے۔ اور اکثر ان کو غلاموں کی طرح فروخت بھی کر دیتے ”دیکھئے کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کا عروج و زوال کا اثر“ ص: ۹۳-۹۴۔

۸۔ سلطنت روم کے زیر اثر مصر کی حالت شام سے بھی ابتر تھی۔ جس کے بارے میں مولانا تقی امین دیران کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ”شاید تم نے دہقانوں کی حالت پر غور نہیں کیا ہے۔ جو زمین کو جوڑتے اور بونے میں مشغول رہتے ہیں۔ جب تک محصول وصول نہ ہو افسر برابر ان کے سر پر موجو رہتے ہیں۔ تحصیلدار ہاتھ میں لکڑی لیے ہوئے اور سپاہی گھمڑ کی چھڑیاں لیے ہوئے ان کے ہمراہ رہتے ہیں اور کاشتکاروں پر دباؤ ڈال کر ان سے غلہ طلب کرتے ہیں۔ اگر بیچارہ دہقان غلہ نہیں رکھتا تو اسے زمین پر لٹا کر باندھ لیتے اور نہر کے کنارے کھینچ کر لے جاتے ہیں اور پھر سر کی طرف سے اس کو پانی میں ڈال دیتے ہیں دیکھئے ”اسلام کا زرعی نظام“ ص: ۲۳۴۔“

۹۔ الندوی، ابوالحسن علی، علامہ مولانا ”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر (۱۹۷۳ء) ص: ۸۸، مجلس نشریات اسلام، ۱، ص: ۳ ناظم آباد بھرا کراچی نمبر ۱۸

یہ ساتھ گز مرلح تھا۔ تقریباً ایک ایکڑ زمین گھیر لیتا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی۔ جس میں جابجا جوہرات اور موتیوں کی چکاری تھی۔ چمن تھے۔ چمن میں پھولدار اور پھلدار درخت قائم تھے۔ درختوں کی لکڑی سونے کی۔ پتے حریر کے۔ کلیاں سونے چاندی کی اور پھل جوہرات کے بنائے گئے تھے۔ گرد ہیرے کی جدول تھی۔ درمیان میں روئیں اور نہریں بنائی گئی تھیں۔ اور یہ سب جوہرات کی تھیں۔ موسم خزاں میں تاجداران آل ساسان اس گلشن بے خزاں میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے۔ دولت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ تھا۔ جو زمانہ نے کبھی اور کہیں نہیں دیکھا تھا۔ (۱۱)

یقینی بات ہے کہ حکمرانوں اور ارکان دولت کے عیش و عشرت پر جو رقم صرف ہوتی تھی۔ حکومت کا خزانہ اس کے بوجھ کو باسانی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بوجھ ہلکا کرنے کا اس کے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ رعایا پر مزید ٹیکس عائد کیے جائیں۔ اور نئے قوانین بنا کر، کسانوں، تاجروں، کارمگروں اور دوسرے کاروباری لوگوں سے زیادہ مال وصول کر کے حکومت کے خزانہ کو بھرا جائے۔

شاہان فارس کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ جب تک وہ زمینی پیداوار سے ٹیکس وصول نہ کر لیں۔ کاشتکار اس میں کچھ بھی تصرف نہ کر سکیں۔ یہ دستور ایران کے اپنے علاقہ تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ دیگر ملحقہ علاقے جہاں تک ایرانی سلطنت وسیع تھی وہاں بھی کاشتکاروں پر یہی پابندی عائد تھی۔ اس سلسلہ میں علامہ ماوردی کا وہ بیان جو انہوں نے شاہان فارس کی سنگدلی کے بارے میں لکھا ہے۔ قارئین کی توجہ کی خاطر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

”ایک روز قباد شکار کو نکلا۔ جب وہ ایک گھنے درخت (جھاڑی) تک پہنچا تو اس میں شکار ڈھونڈنے کے لیے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک عورت کھجور اور انار کے پھلوں سے لدے ہوئے باغ میں مٹی کھود رہی ہے۔ پاس اس کا بچہ کھڑا انار کھانے کے لیے اصرار کر رہا ہے۔ مگر ماں اسے برابر منع کرتی ہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر قباد کو تعجب ہوا۔ قاصد بھیج کر اس عورت کو پاس بلایا۔ اور پوچھا کہ وہ بچے کو انار کھانے سے کیوں منع کر رہی ہے؟ عورت نے

۱۱۔ الندوی، ابوالحسن علی، علامہ مولانا ”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“ (۱۹۷۳ء) ص: ۸۸، مجلس نشریات

اسلام، ۱ کے ۳ ناظم آباد نمبر ۱۸، ص: ۸۸

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی ۲۲۵ رجب الاول ۱۴۳۱ھ ۲۸ مارچ ۲۰۱۰ء

جواب دیا، اس پھل میں بادشاہ کا حق ہے۔ ابھی تک تحصیلدار وہ حق وصول کرنے نہیں آیا۔ بادشاہ کا حق ادا کیے بغیر اس میں سے کھاتے ہم ڈرتے ہیں۔ قباد نے یہ سن کر اپنی رعایا پر ترس کھایا اور اپنے وزراء کو پینش کا حکم دیا تاکہ آمدنی تو اس سے کم نہ ہونے پائے۔ جو تقسیم سے پہلے حاصل ہوتی تھی۔ مگر لوگ بوقت ضرورت اپنی ملکیت میں تصرف کر سکیں۔“ (۱۲)

اس ظالمانہ نظام کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک طرف اعیان دولت کو عیش و عشرت سے فرصت حاصل نہیں تھی۔ اور دوسری طرف رعایا کو ان کی خدمت اور محنت و مشقت سے اتنی فراغت حاصل نہیں تھی۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ ”کہ وہ آخرت کی سعادت کے بارے میں سوچ سکیں۔ یا اس کی تیاری کر سکیں۔ ساری آبادی میں ایک بھی آدمی ایسا ملنا مشکل تھا۔ جسے دین کی فکر لاحق ہو۔ ساری قوم کھانے پینے اور مکانات بنانے میں مشغول تھی۔ کمانے کے ان اصولوں کو اس نے بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ جن اصولوں پر نظام عالم کی بقاء کا دارومدار ہے۔“ (۱۳)

روم اور ایران میں دولت کی اس غلط تقسیم کی وجہ سے معاشرہ دو طبقات میں بٹ گیا تھا۔ جن کے درمیان واضح فرق تھا۔ ایک طبقہ بادشاہ، اس کے خاندان، متعلقین، اہل دربار اور جاگیرداروں پر مشتمل تھا۔ جو سدا بھار پھولوں کی بیج پر زندگی گزار رہا تھا۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے سونا چاندی سے کھیلنے اور دودھ و گلاب میں نہاتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کے نعل، لعل و جواہر سے جڑتے اور درود یوار ریشم و کھواب سے سجائے جاتے تھے۔ جب کہ دوسرا طبقہ کاشتکاروں، اہل حرفہ اور چھوٹے تاجروں کا تھا۔ ان کی زندگی سراپا رنج و کلفت تھی۔ یہ ٹیکسوں اور نذرانوں کے بوجھ تلے کچلے جا رہے تھے۔ یہ جتنا مطالبات کے جال کو توڑنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے یہ جال اتنا اور بھی کس جاتا تھا۔ (۱۴)

یورپی ممالک میں ٹیکسوں نے جو بد حالی مچا دی تھی۔ وہ بعد میں بھی کافی مدت تک جاری رہی۔ چنانچہ اکرام علی ملک کے مطابق فرانس میں اٹھارویں صدی عیسوی میں پیشتر ٹیکس پرانی وضع کے تھے۔ جو روح انصاف سے یکسر خالی تھے۔ طبقہ امراء ٹیکس کی ادائیگی سے آزاد تھا۔

۱۲۔ الماوردی، ابی الحسن علی بن محمد، ”الاحکام السلطانیہ“ (۱۳۹۳ھ) ص: ۲۸۱ مطبعہ مصطفیٰ البانی، مصر۔

۱۳۔ الشاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، ”حجۃ اللہ البالغہ“ ج: ۱ ص: ۱۰۶، المکتبۃ الشیعہ، لاہور۔

۱۴۔ الندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر (۱۹۷۷ء) ص: ۹۵-۹۳

ان کے ٹیکسوں کا بوجھ کاشتکار برداشت کرتے تھے۔ ٹیکسوں کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ خزانہ تک پہنچنے سے پہلے ہی خورد برد ہو جاتا تھا۔ مزید برآں یہ ٹیکس ملک کے تمام حصوں میں یکساں طور پر لاگو نہیں تھے۔ انتظامی خرابیوں کے علاوہ لوگ ان ٹیکسوں سے نالاں بھی تھے۔ (۱۵)

استحصالی نظام کی اس غلط پالیسی اور اس کے نتیجے میں معاشی عدم توازن کا اندازہ اس وقت کے یورپی معاشرہ کی طبقاتی تقسیم سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ ہنری ولسن لفیلڈ (Henry Wilson Littleield) اپنی کتاب (New Outline Histroy Europe) میں ان طبقات کا ذکر (Social Classes) کے تحت یوں کرتا ہے:

۱۔ ا طبقة امراء (Nobality)

اس طبقہ میں شہروں میں بسنے والے دوکاندار، تاجر اور کاروباری لوگ شامل تھے۔ لیکن اس طبقہ کا اعلیٰ حصہ برسر آوردہ امراء اور گرجوں کے شہزادوں پر مشتمل تھا۔ قابل کاشت زمینیں انہیں کے قبضہ میں تھیں۔ اور وہ ان کے محاصلات کسانوں سے وصول کرتے تھے۔

۲۔ ا کسان (Peasantry)

آبادی کی اکثریت کسانوں پر مشتمل تھی۔ جو مزدوری کر کے اپنے ہاتھوں کی کمائی پر گزارہ کرتے تھے۔ سولہویں صدی عیسوی میں ان کے حسب ذیل طبقات بن گئے تھے۔

۲۔ ا ۱۔ انیم غلام (Serfs)

مشرقی اور وسطی یورپ کی زیادہ تر آبادی ان لوگوں پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ اپنے مالکوں کی خدمت کرتے۔ مختلف محاصل ادا کرتے اور اپنے مالکوں کی عیش و عشرت کے لیے مال مہیا کرتے تھے۔ ایک قسم کے وراثتی ٹیکس کی ادائیگی بھی انہی کے ذمہ تھی۔ البتہ سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں مغربی یورپ میں غلامی کا سلسلہ بند ہو گیا۔

۲۔ ا ۲۔ آزاد کرایہ دار (Free Tenants)

یہ وہ کسان تھے جنہیں زمین وغیرہ کرایہ پر دی جاتی تھی۔ یہ لوگ شادی بیاہ کے مجاز

تھے۔ آزادی کے ساتھ زمین کاشت کرتے اور مالکوں کو زمین کا کرایہ وغیرہ ادا کرتے تھے۔

۱-۲ اجرتی مزدور (Hired Labourers)

یہ لوگ اپنے مالکوں کی زمین اجرت پر کاشت کرتے تھے۔ جس کے عوض میں انہیں مزدوری ملتی تھی۔

۱-۲ کاشتکار (Metayers)

یہ کسانوں کی وہ قسم تھی جو ایک مقرر حصہ پر مالکوں کی زمین کاشت کرتے تھے۔ (۱۶) موصوف نے آگے کسانوں کی جوڑیوں حالی بیان کی ہے۔ خوف طوالت کی وجہ سے اسے ترک کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیلات اصل کتاب (۱۷) میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۲- جدید نظام محاصل

جہاں تک عہد حاضر کے ٹیکسوں کا تعلق ہے۔ انہیں اگر اپنے تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ان کا تانا بانا پرانا ہے۔ قدیم محاصل میں کانت چھانٹ کر کے جدید ٹیکسوں کی وضع قطع کچھ اس طرح سے درست کی گئی ہے کہ یہ اب بالکل نئے اور جاذب نظر دکھائی دیتے ہیں۔ ورنہ حقیقتاً ان کا ڈھانچہ روم و ایران وغیرہ کے پرانے ظالمانہ محاصل ہی پر قائم ہے۔ ہمارے اس دعویٰ کی توثیق انسائیکلو پیڈیا برٹیکا کے درج ذیل اقتباس سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

Takes of any kind had little place in the agrarian feudal system of Middle Ages, The king, the duke, the count, the baron—each in true derived income from the land he held directly and levied rent like dues on those who held land at his pleasure, i.e. on those beneath him in the feudal hierarchy. From the 14th Century on as the feudal system was gradually broken up by discipation of the public domain,

16- Henry Wilson, Littlefield "New Outline History of Europe,"- (1959) P-9-10, Barbes and Moble INC New York.

17- Ibid P:10-11

by growth of industry and commerce, and by centralization of government their petrimonial revenues slowly gave way to taxes (18)

”قرون وسطی کے زراعتی جاگیرداری نظام کے تحت کسی قسم کے ٹیکس کو کوئی وقعت حاصل نہیں تھی۔ بلکہ بادشاہ، شہزادہ، نواب اور راجہ بذات خود اپنی زمینوں کی آمدن حاصل کرتا تھا اور جو لوگ اس کے ماتحت ہوتے اور اس مرضی سے اپنے پاس کاشت کے لیے زمین رکھنا چاہتے تو وہ موروثی جاگیردارانہ نظام کے تحت ان سے اجرت وصول کرتا۔ چودھویں صدی کے بعد زمینداری نظام کی بربادی، صنعت و تجارت کی ترقی اور حکومت کی مرکزیت کی وجہ سے جب آہستہ آہستہ جاگیرداری نظام ختم ہو گیا تو ان موروثی محاصل نے، بتدریج جدید ٹیکسوں کی صورت اختیار کر لی۔“

جدید ٹیکسوں کا نہ صرف ڈھانچہ پرانے خطوط پر استوار کیا گیا ہے بلکہ ان میں روح بھی وہی کارفرما نظر آتی ہے۔ جو پرانے ٹیکسوں میں تھی۔ کہ حکمران طبقہ کی اعانت ہوتی رہے، البتہ پرانے زمانہ کے ٹیکس زیادہ ظالمانہ اس وجہ سے تھے کہ وہ غلاموں، کسانوں اور معاشرے کے غریب کاروباری طبقہ سے وصول ہو کر حکمران طبقہ کی عیش و عشرت میں صرف ہوتے تھے۔ مگر اب ان ٹیکسوں میں رواداری یوں پیدا کر دی گئی ہے کہ یہ ٹیکس کاروباری لوگوں کے علاوہ امیروں سے بھی وصول کیے جاتے ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ کہ دور جدید میں انہیں غلامی کی علامت سمجھنے کی بجائے آزادی کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ (۱۹)

نظام ٹیکس میں یہ تبدیلی کیوں اور کس طرح رونما ہوئی؟ انسائیکلو پیڈیا محولہ بالا کے بموجب یہ تبدیلی کچھ نیک نیتی یا واقعی انسانی ہمدردی کی بنا پر بخوشی عمل میں نہیں لائی گئی بلکہ بامر مجبوری پرانے ظالمانہ ٹیکسوں کے خلاف بغاوت کے نتیجہ میں یہ تبدیلی رونما ہوئی۔ انسائیکلو پیڈیا مذکورہ نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

Rebellin against arbitrary and oppressive tazatiion played a major role in modern history. Such milestones in British

18- Encyclopedia Britannica "(1970), Vol 21 P-723, William Benton Publisher, Chicago.

19- Ibid P-723

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی ۲۶۵ رجب الاول ۱۴۳۱ھ ۵ مارچ ۲۰۱۰ء

constitutional history as the magna Charter (1215) and the Bill of Rights (1689) helped establish the principle of consent and representation in taxation. Failure to apply this principle to the colonies played in little part in the American Revolution. Much of desperation that exploded in the French Revolution grew out of Francis tax system - one of the most oppressive and inequitable government, as well as many others, followed the practice of turning over the collection of taxes to contractors known as tax farmers, who often employed harsh measures and aroused the hatred of the people. All the time of the Revolution. The System was abolished, and many of the tax farmers were executed. (20)

”ظالمانہ اور جاہلانہ ٹیکسوں کے خلاف بغاوت نے ایک نیا باب مرتب کیا ہے۔ انہی سنگ میل واقعات جیسے میکنا چارٹر (۱۲۱۵) اور اعلان حقوق (۱۶۸۹ء) نے برطانیہ کی آئینی تاریخ میں رضا مندی اور نمائندگی کے اصول وضع کرنے میں مدد دی۔ نوآبادکاری کی نمائندگی کے لیے اسی قانون کے اجراء میں ناکامی نے امریکی انقلاب میں بڑا کردار ادا کیا۔ اسی طرح فرانس کے نظام محاصل۔ جو دنیا کا ظالم ترین اور غیر منصفانہ نظام محاصل تھا، سے مایوسی، فرانسیسی انقلاب کی صورت میں نمودار ہوئی۔ فرانسیسی حکومت اور کئی دیگر حکومتوں نے ٹھیکہ پر ٹیکس دینے کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ ٹھیکیدار۔ ٹیکس اجارہ دار کے نام سے مشہور تھے۔ یہ لوگ ٹیکس کی وصولی کے لیے نہایت سخت اور نفرت انگیز ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔ بغاوت کے دوران یہ نظام ختم کر دیا گیا۔ اور کئی ٹیکس اجارہ داروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔“

بہر کیف ان بغاوتوں کے نتیجے میں ٹیکس کا پرانا نظام ختم ہو گیا اور اس کی جگہ نئے ٹیکسیشن سسٹم نے یوں لی کہ پرانے ٹیکسوں میں کچھ تبدیلی کر کے ان میں مزید ٹیکس شامل کر دیے گئے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا سوشل سائنسز کے مطابق انکم ٹیکس برطانیہ میں ۱۷۹۹ء، آسٹریلیا میں ۱۸۳۹ء، اٹلی میں ۱۸۶۳ء، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جاپان میں ۱۸۸۰ء جرمنی اور نیدر لینڈ میں

۱۸۹۰ء اور امریکا میں یہ ٹیکس ۱۹۱۳ء میں باقاعدگی سے شروع ہو گیا (۲۱) پھر ان ممالک کے بعد رفتہ رفتہ یہ ٹیکس دوسرے ممالک میں بھی جاری ہو گیا۔

مذکورہ انسائیکلو پیڈیا میں موت اور صہ ٹیکس کی کہانی بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ مختصراً ایڈم سمٹھ (Adem Smith) کی کتاب دولت اقوام (The Wealth of Nation) میں روم کے وراثت ٹیکس۔ بیسوی پنی (Twentieth Penny) کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب کہ دولت مشترکہ میں اس ٹیکس کا وجود ۱۹۶۳ء میں بیان کیا گیا ہے۔ البتہ جدید انداز میں اس کا اجراء ۸۰۔۷۹ء سے قبل نہیں ہو سکا۔ امریکا کی مرکزی حکومت نے خانہ جنگی (Civil War) اور اسپین امریکا جنگ کے دوران وراثت ٹیکس لاگو کیا۔ جہاں تک امریکا کا موجودہ وراثت ٹیکس ہے یہ ۱۹۱۹ء سے شروع ہوا ہے۔ (۲۲)

لن ٹیکسوں کے علاوہ اور بھی بہت سے ٹیکس مثلاً ایکسائز ڈیوٹی، سیلز ٹیکس وغیرہ جنگی یا دیگر ضروریات کے تحت عائد ہوتے رہے۔ مگر یہ ٹیکس بعد میں مستقل حیثیت اختیار کر گئے۔ حتیٰ کہ آج بھی اکثر و بیشتر ممالک میں یہ ٹیکس بدستور رائج ہیں۔

ماہرین اقتصادیات ان ٹیکسوں کے کئی فوائد بتاتے ہیں۔ مثلاً ان سے ملکی معیشت کا توازن برقرار رکھا جاتا ہے۔ ملکی سرمایہ کو بڑھا کر اس سے ملکی معیشت کو ترقی دی جاتی ہے۔ ان کے ذریعے ملک میں افراط زر کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ بیرونی مصنوعات کے مقابلہ میں ملکی مصنوعات کو تحفظ اور ترقی دی جاسکتی ہے۔ دوست ممالک کے درمیان باہمی تجارت اور دوسرے اقتصادی تعلقات کو خوش اسلوبی کے ساتھ بڑھایا جاسکتا ہے۔ اور ان ٹیکسوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان کی بدولت حکومت کو کافی آمدنی حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ ضروری اخراجات اور بعض اہم منصوبے پورے کر سکتی ہے۔

مگر ان تمام فوائد کے باوجود عہد حاضر کے ٹیکسوں میں عملاً سب سے بڑی خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ ان کی وجہ سے معاشرہ میں موجود۔ دو طبقات امیر اور غریب کے مابین پائے

21- International Encyclopedia of the Social Science, (1972), P-529, The Macmillan Company and Free Press New York.

22- Ibid. Page- 556

جانے والے معاشی اور معاشرتی فرق میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً بالواسطہ ٹیکس (۲۳) جن کا زیادہ تر بوجھ غریبوں کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ان کی بدولت امیر امیر تر اور غریب غریب تر بنتے جا رہے ہیں۔ جہاں تک بلاواسطہ ٹیکسوں کا تعلق ہے۔ گوکہ ان کا بوجھ صرف امراء ہی تک محدود رہتا ہے لیکن ان میں چوری چکاری اور فریب دہی کو کنٹرول کرنا آج کسی بھی حکومت کے بس میں نہیں رہا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہوشیار اور چالاک لوگ اپنے آپ کو بڑی آسانی کے ساتھ ان ٹیکسوں سے بچا لیتے ہیں۔ اس امر کی تائید اکبر جی مرچنٹ، ایف۔ سی۔ اے کی درجہ ذیل رپورٹ سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

”ہر ایک اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ اس ملک میں اپنے آپ کو ٹیکسوں سے بچا لینا حیران کن حد تک پہنچ گیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں کالے دھن کی خرابی سرطان (Cancer) کی طرح چھا گئی ہے۔ چونکہ کالے دھن پر ٹیکس عائد کرنا مشکل امر ہے۔ بنا بریں بچتیں غیر منافع بخش اور نا پسندیدہ راستوں میں صرف ہو جاتی ہیں۔ یا پھر یہ بچتیں عیاشی کے کاموں اور متکبرانہ اخراجات کی نذر ہو جاتی ہیں۔ (۲۴)

موجودہ ٹیکسوں میں ٹیکس افسروں کی بددیانتی اور خورد برد کے بارے میں جو خبریں اخبارات میں شائع ہوتی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک رپورٹ کا حوالہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جو جنوری ۱۹۸۸ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں پبلک اکاؤنٹ کمیٹی (PAC) نے پیش کی تھی۔ اور جس پر طارق بٹ صاحب نے اخبار مسلم اسلام آباد مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۸۸ء میں ایک دلچسپ تبصرہ شائع کیا تھا۔ جس کا عنوان یہ تھا۔ بٹ صاحب اپنے تبصرے میں کمیٹی کے حوالہ سے موجودہ ٹیکس سسٹم کی خرابی کے بابت لکھتے ہیں:

۲۳۔ معاشین بوجھ (Burden) کے لحاظ سے ٹیکس کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:

i۔ بلاواسطہ ٹیکس (Direct Tax) اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جس کا بوجھ ٹیکس ادا کنندہ خود برداشت کرتا ہے اور اسے صارفین کی طرف منتقل نہیں کر سکتا۔ جس کی مثال آمدنی ٹیکس (Income Tax) دولت ٹیکس (Wealth Tax) جائیداد ٹیکس (Property Tax) اور تحفہ ٹیکس (Gift Tax) وغیرہ ہیں۔

ii۔ بالواسطہ ٹیکس (Indirect Tax) اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جس کی ادائیگی تو ٹیکس دہندہ خود کرتا ہے مگر اس کا بوجھ دوسرے صارفین کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ جس کی مثال بکری ٹیکس (Sales Tax) محصول درآمد (Custom Duty) اور چنگی ٹیکس (Excise Duty) وغیرہ ہیں۔

”لینی نے مروجہ نظام محاصل کو مسترد کرتے ہوئے اسے ٹیکس عائد اور وصول کرنے کا ایک پیچیدہ اور بوجھل قانونی ڈھانچہ (ادارہ) قرار دیا ہے۔ جس میں ٹیکس وصول کنندہ گان کو غیر معمولی امتیازی اختیارات حاصل ہیں۔ اور جس کی متنوع قسم کی ٹیکس ایجنسیاں ہیں۔“

ٹیکس ایجنسیوں کی خرابی کی ایک بڑی وجہ سخت کنٹرول اور ٹیکس کارندوں اور ٹیکس وصول کرنے والوں کی امتیازی اختیارات ہیں۔ اس نظام میں کنٹرول اور رشوت ستانی ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اور اس کی خرابی کی ایک وجہ ٹیکس انتظامیہ خود ہے۔ (۲۵)

”کمٹی کا یہ حتمی خیال ہے کہ ملک میں موجودہ ٹیکس کے قانونی / انتظامی ڈھانچہ کو بالکل بدل دیا جائے۔ کیونکہ یہ دیانتداروں کے جذبات کو مجروح کرتا اور بددیانت ٹیکس دہندہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اگرچہ ٹھیک طور پر اندازہ لگانا مشکل ہے کہ کس قدر ٹیکس کی رقم سے لوگ خود کو بچا لیتے ہیں یا کتنی رقم لوگ بالکل ادا نہیں کرتے۔ مگر پھر بھی موجودہ ٹیکس نظام کو محض اس وجہ سے بھی موقوف کر دینے کی ضرورت ہے کہ اس نظام نے سارے ملک کو بدعنوان بنا دیا ہے۔ لوگ موجودہ ٹیکس نظام سے تنگ آ چکے ہیں۔ وہ پیوند کاری نہیں چاہتے۔ بلکہ وہ ایک جمہوری حکومت سے یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ ملک میں ایک ایسے ٹیکس نظام کی بنیاد رکھے جو ایک صحتمند معاشی فضا کو قائم رکھ سکے۔ (۲۶)

۲۵۔ مسلم اخبار اسلام آباد میں طارق بٹ صاحب کی تحریر کا اقتباس ملاحظہ ہو:

The Committee Disapproved the Prevailing taxation system and dubbed it as complicated and cumber some legal / administration from work for leay and collection of taxes, extra-ordinary power enjoyed by the tax collectors and multipli city of tax agencies....

"One of the major sources of corruption in the tax administration agencies was the excersice control and discretionary Powers enjoyed by the tax officials and collectors of taxes, The control and corruption go hand in hand and one of the manifestations of this principle is the tax administration itself"

26-The Committee is of the Considered view that the existing legal / administrative framework of taxation in the country should be radically altered, as it is hurting the honest and helping the dishonest tax-payers. Although it is not possible to realistically estimate the extent of evasion and avoidance of revenue, the existing system needs to be discarded simply on the grounds that it has corrupted the entire country. The People of the Country are sick of existing tax structure and thay do not want a patch work. What they expect from a democratic governmnet is that is should lay the foundation for a taxation system in the country which could lead to healthy economic environment".

رائے عامہ کے علاوہ سرکاری سطح پر بھی موجودہ ٹیکسوں کو پذیرائی حاصل نہیں ہے۔ اس حقیقت کا اظہار محمد یس خان وٹو صاحب کی اس تقریر سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ جو انہوں نے بطور وزیر خزانہ سالانہ بجٹ پیش کرتے ہوئے اسمبلی میں کی تھی۔ ان کی تقریر کا ماحصل یہ ہے:

”ہمارے موجودہ نظام محاصل میں کئی خامیاں موجود ہیں۔ اس نظام کو قبولیت عامہ نصیب نہیں ہے۔ ٹیکسوں کی اونچی شرح لوگوں کو ٹیکس کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ان کا پیچیدہ قانونی طریق کار بدعنوانی پھیلاتا، ٹیکس دہندہ کو خوف زدہ کرتا اور اس کی عزت کو مجروح کرتا ہے۔ یہ نظام خیانت اور رشوت ستانی کی پرورش کرتا ہے۔ رشوت خور کارندہ اور ٹیکس سے پہلو تہی کرنے والے کی ملی بھگت، قومی مفاد کو سخت نقصان پہنچاتی ہے۔ (۲۷)

مذکورہ بالا تاریخی حقائق و شواہد سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قدیم روم و ایران اور ان کے ماتحت دوسری حکومتوں کا نظام محاصل کسی خاص قاعدہ یا قانون کا پابند نہیں تھا۔ بلکہ حکمران اپنی من مانی اور ذاتی ضروریات کی خاطر رعایا پر ٹیکس لگا کر ان کی وصولی میں کسی ظلم و زیادتی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اور لگان کی وصولی کا یہ ظالمانہ نظام، شام و عراق اور ان سے ملحقہ علاقوں میں اسلامی حکومت کے قیام تک بدستور جاری رہا۔ جہاں تک آج کے نظام محاصل کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں بھی مختلف حوالوں سے یہ بات ثابت کی گئی کہ یہ ٹیکس بھی کسی طرح عوامی فلاح و بہبود کا باعث نہیں ہیں۔

اس مقالے کا توضیح طلب گوشہ اب یہ رہ گیا ہے کہ نظام محاصل کی اصلاح کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے کیا انقلابی اقدامات کیے؟ اور انہوں نے کس طرح اس نظام کو ہر قسم کی ظلم و زیادتی سے پاک کر کے اس عام لوگوں کی فلاح و بہبود کا ضامن بنایا؟

۳۔ نظام محاصل میں اسلامی انقلابی اصلاحات

نظام محاصل میں اہل اسلام کی اصلاحی اقدامات کا ذکر کرنے سے پیشتر مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ حاصل کے بارے میں اسلامی پالیسی کی اس روح کی نشاندہی کر دی جائے جس کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے اس نظام کی اصلاح کی۔ درحقیقت زندگی ایک کل ہے جسے علیحدہ علیحدہ مختلف جزیروں میں بانٹنا نہیں جاسکتا۔ دور جدید کی پریشانی اور ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس نے اس بنیادی حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے آج زندگی عملی طور پر لامتناہی غیر مربوط اجزاء میں بٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور اس کے مختلف شعبہ جات آپس میں متضاد و متضادم دکھائی دیتے ہیں۔ جب کہ اسلام زندگی کے تمام گوشوں کو ایک ہی تار میں پرو کر انہیں مربوط اور باہم پیوست بنا دینا چاہتا ہے تاکہ زندگی کے مختلف شعبہ جات میں مغایرت و منافرت کی بجائے موافقت و یکسانیت کی فضا قائم رہے۔ چنانچہ اسلام زندگی کے ہر میدان اور ہر قدم پر ہر ایک ہی حکم دیتا ہے اور وہ ہے قیام عدل و احسان۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (۱۶-۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

عدل و احسان کا یہ حکم عام ہے۔ اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ہر گوشہ کو محیط ہے۔ نظام حاصل جو انسان کی اجتماعی معاشی زندگی کی شیرازہ بندی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دینا ملت کی اجتماعی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

چنانچہ آیت مذکورہ بالا کے تناظر میں عدل کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی حکومت لوگوں کو ہمہ قسم کی سہولتیں مہیا کر کے ان سے ان کی استطاعت کے مطابق ٹیکس وصول کرے۔ تاکہ یہ ٹیکس ان پر بوجھ بن کر ان کی کارکردگی کو متاثر نہ کرنے لگیں۔ ورنہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ نفع بخش کاموں میں دلچسپی لینا چھوڑ بیٹھیں گے۔ اور مجموعی قومی آمدن میں کمی آنا یقینی بن جائے گا۔ لہذا ٹیکسوں کی تشخیص و تحصیل کے بارے میں قرآن مجید کی درج ذیل آیت کو مد نظر رکھنا لازمی ہے:

لا یكلف الله نفساً الا وسعها (۲۸۶:۲)

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

مندرجہ بالا آیت کی رو سے اگر حکومت کسی فرد یا کسی طبقہ پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر ٹیکس عائد کرے گی تو اس کا یہ عمل عدل کے منافی تصور ہوگا۔ جس کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

احسان کا تقاضا یہ ہے کہ کسی شخص کی ذاتی ضرورت میں مصروف آمدنی پر ٹیکس عائد نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کی زائد از ضرورت آمدنی پر ٹیکس مقرر کیا جائے۔ جس کے لیے قرآن مجید کی درج ذیل آیت دلیل ہے:

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ. (۲۱۹:۲)

آپ سے پوچھتے ہیں کہ راہ خدا میں کیا خرچ کریں۔ بتا دیجیے کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔

ٹیکسوں کے بارے میں عدل و احسان پر مبنی اسلامی پالیسی کے بارے میں مولانا تقی امینی لکھتے ہیں:

”دستور الہی میں عدل و احسان دو ایسے لفظ ہیں جو ٹیکسوں کے بارے میں خلافت کی پالیسی کو متعین کرتے ہیں۔ بالخصوص احسان کا حکم عدل کے ساتھ نہایت غور طلب ہے جو محصول وصول کرنے والوں کا زاویہ نگاہ بھی بدل دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ کاشتکاروں کے ساتھ صرف عدل ہی کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کی خوش حالی اور بہتری کے لیے ان کے ساتھ احسان اور سلوک کا برتاؤ بھی ہے۔ جس سے ایک طرف تو یہ ہوتا ہے کہ کاشتکار مفاد غلق کے لیے اپنی ہر چیز قربان کر کے کاشت کا انتظام کرتا ہے اور دوسری طرف یہ کہ خلافت اس کے ساتھ ہر قسم کے احسان و سلوک کرنے میں سبقت کرتی ہے۔ غرض اس طرح فاستبقوا الخیرات (ایک دوسرے سے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرو) کی عملی تصویر سامنے آ جاتی ہے“ (۲۸)

محاصل کے بارے میں اسلامی پالیسی کی وضاحت کے بعد اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین نے نظام محاصل کی اصلاح کے سلسلہ میں جو عملی اقدامات کیے، انہیں فرداً فرداً ذکر کر دیا جائے تاکہ قارئین کے سامنے اسلامی پالیسی کی عمل پذیری (Practicability) کا عملی نمونہ واضح ہو جائے اور وہ متعصب ناقدین کے

اس غلط پروپیگنڈہ سے ہرگز متاثر نہ ہوں کہ اسلام کا تعلق صرف انسان کے عقائد و عبادات یا اس کی نجی زندگی سے ہے اور یہ انسان کی عملی و اجتماعی زندگی میں قابل عمل (Workable) نہیں ہے۔

۳۔۱۔ نظام محاصل میں بنیادی انقلاب

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی حیثیت ایک مغلوب اقلیت کی سی تھی۔ جہاں ان کی تربیت محض انفرادی اصلاح کی سطح تک محدود تھی۔ لیکن جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور وہاں انہیں سیاسی استحکام حاصل ہو گیا جس کی بدولت ان کی اپنی ایک علیحدہ چھوٹی مگر مضبوط ریاست قائم ہو گئی تو ابتداء میں اسے دو ضروری مصارف۔ بیرونی دشمنوں سے حفاظت اور مدینہ میں موجود ناداروں کی کفالت کے لیے مالی وسائل کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ جنگی مہمات کے اخراجات ہنگامی طور پر چندہ وغیرہ جمع کر کے پورے کر لیے جاتے تھے۔ جب کہ غرباء اور دیگر اہل حاجت کی کفالت کا باقاعدہ بندوبست بحکم خداوندی ”زکوٰۃ، عشر اور صدقات وغیرہ کے ذریعے کر لیا گیا۔ ان کے علاوہ چند دوسرے ذرائع آمدن مثلاً مال غنیمت، فنی وغیرہ بھی تھے۔ ان کی تفصیلی ذکر یہاں خارج از بحث ہے۔

محاصل جو اجتماعی مالیت میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسلام سے قبل، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہوا۔ غریبوں سے وصول ہو کر حکمران اور امراء طبقہ کی پرورش اور عیش و عشرت کا ذریعہ بن جاتے تھے۔ معاشی اصلاحات کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اور اہم اقدام، جس کی طرف معاشی انقلاب کے علمبرداروں نے کبھی توجہ ہی نہیں دی یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے مروجہ نظاموں کے برعکس امیروں کی دولت میں غریبوں کا حصہ مقرر فرما دیا۔ جو عین فطرت اور انصاف پر مبنی ایک نہایت اہم انقلابی اقدام ہے۔ غریبوں کا یہ حصہ زکوٰۃ و عشر کی صورت میں امیروں سے وصول کر کے ان کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر اسلامی بیت المال کے مختلف شعبوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان میں سے کوئی بھی شعبہ ایسا نظر نہیں آئے گا جس میں غریبوں اور ناداروں کی کفالت کا خاطر خواہ بندوبست نہ کیا گیا ہو۔

۳۔۲۔ وحشیانہ سزاؤں کا انسداد

جب اسلامی حکومت کی سرحدیں ملک حجاز سے آگے بڑھ کر ملحقہ علاقوں تک وسیع

ہو گئیں تو اس کے سامنے سب سے پہلا مسئلہ یہ تھا کہ کس طرح ان مظالم کا انساد کیا جائے جو تحصیل حاصل کے سلسلہ میں حکمران عوام پر روا رکھتے تھے۔ چنانچہ خلفائے اسلام نے اپنے عاملوں کو تاکید کی احکامات جاری کیے کہ کاشتکاروں پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے۔ اگر وہ وقت مقررہ پر لگان ادا نہ کر سکیں تو انہیں مزید مہلت دی جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ یہ لگان ادا کر سکیں۔ اسلامی مالیات پر لکھی گئی کتابوں میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ جب کبھی مسلمان خلفاء نے کسی ذمی پر ظلم و زیادتی ہوتے دیکھی تو اسے فی الفور بند کرنے کا حکم دیا۔ ان میں سے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

حضرت عمرؓ شام سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ان کا گزر چند ایسے آدمیوں پر ہوا۔ جنہیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سر پر گرم تیل اچھڑا جا رہا تھا۔ جب آپؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپؓ کو بتایا گیا کہ جزیہ ادا نہ کرنے کی پاداش میں انہیں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ آپؓ نے دریافت کیا کہ اس بارے میں وہ کیا عذر پیش کر رہے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس مال نہیں ہے۔ جس میں سے ہم جزیہ ادا کر سکیں تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا:

”دعوہم لا تکلفوہم مالا یطیقون فانی سمعت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم یقول: لا تعذبوا الناس فإن الذین یعذبون الناس

فی الدنیا یعذبہم اللہ یوم القیامۃ وامرہم فخلی سبیلہم“ (۲۹)

انہیں چھوڑ دو۔ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف میں نہ رکھو۔ کیونکہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، ”لوگوں کو عذاب نہ دو۔

جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن

انہیں عذاب دیگا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی خلاصی کا حکم دیا تو انہوں نے

انہیں رہا کر دیا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ ہشام بن حکیم بن حزام کے متعلق بھی مروی ہے کہ وہ فلسطین میں ایسے لوگوں پر سے گزرے جن پر جزیہ وصول کرنے سے سختی کی جا رہی تھی۔ تو ہشام نے کہا۔

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی ۳۵۵ رجب الاول ۱۴۳۱ھ ☆ مارچ ۲۰۱۰ء

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دردناک عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو سخت سزائیں دیتے ہیں۔ (۳۰)
حضرت عمرؓ آخری وقت میں اپنے بعد بننے والے خلیفہ کے لیے اہل ذمہ کے بارے میں یہ وصیت کر کے چھوڑ جاتے ہیں:

”او وصی الخلیفۃ من بعدی باہل الذمۃ خیراً ان یوفی لہم بعہدہم

وان یقاتل من ورائہم وان لا یکلفوا فوق طاقتہم“ (۳۱)

میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ اہل ذمہ کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔ ان کی حفاظت کے لیے لڑے۔ اور (خراج جزیہ وغیرہ کی وصولی میں) ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔
چنانچہ حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کی اس وصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے عاملوں کو حکم دیتے ہیں:

”ان لا یأخذ منہم الا فضلہم عن رضائہم“ (۳۲)

ان سے ان کی رضا مندی کے مطابق وہ مال وصول کیا جائے جو ان کی

ضروریات سے زائد ہو۔

۳۔۳۔ بیگار سسٹم کا خاتمہ

قدیم روم و ایران اور ان کے زیر نگیں علاقوں میں ایک ظالمانہ دستور بیگار سسٹم کا رواج تھا۔ اس رواج کے مطابق حکومت بڑے بڑے جاگیرداروں سے بیگار لینا چاہتی تو جاگیردار اور زمیندار غریب کاشتکاروں کو اپنے بدلے میں پیش کر کے خود کو اس بیگار سے چھڑا لیتے تھے۔ حکومت بلا معاوضہ زبردستی ان لوگوں سے کام کراتی تھی۔ اس کے علاوہ جاگیردار اور زمیندار خود بھی کاشتکاروں سے اپنے گھریلو کام کاج مفت کراتے تھے۔ اسلام نے اس ظالمانہ رسم کا درج

۳۰۔ ابو عبیدہ، قاسم بن سلام ”کتاب الاموال“ (۱۳۵۳ھ) مصطفیٰ محمد المکتبۃ التجارۃ الکبریٰ۔ مصر

۳۱۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۱۳۶

۳۲۔ البخاری، ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل، متن البخاری مع حاشیہ السندی ”جزء ۴: ص: ۲۹۹، دار المعرفۃ للطباعة والنشر بیروت،

لبنان

ذیل فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت خاتمہ کر دیا۔

قال اللہ تعالیٰ ثلثة انا خصمهم يوم القيامة رجل اعطى بي ثم غدر ورجل باع حرافا كل ثمنه ورجل استاجر اجيرا فاستوفى منه ولم يعطه اجره۔ (۳۳)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن، میں تین قسم کے آدمیوں سے جھگڑا کروں گا۔ ایک وہ آدمی کہ جس نے مجھ سے عہد کیا۔ پھر اسے پورا نہ کیا۔ دوسرا وہ آدمی جس نے آزاد آدمی کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی۔ تیسرا وہ شخص جس نے کسی آدمی کو مزدوری پر لگایا۔ پس اس سے کام تو پورا لیا مگر اسے اجرت ادا نہ کی۔

مندرجہ بالا حدیث کی بنا پر ابن حزم لکھتے ہیں: کاشتکار سے کاشتکاری کے علاوہ کوئی اور خدمت لینا جائز نہیں ہے۔ جیسے مکان بنوانا۔ اس کی تعمیر کرانا۔ صفائی وغیرہ کرانا۔ یا باغ کی دیوار بنوانا۔ یا اسی قسم کے دوسرے کام کاج کرانا اور اگر اس قسم کے کاموں کو شرائط مزارعت میں شامل کر لیا گیا تو اس سے معاملہ مزارعت ہی فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ کاشتکار کے ذمہ صرف وہی کام ہیں جو اجرت پر لی ہوئی زمین سے متعلق ہوتے ہیں۔ (۳۳)

صرف مزارعت ہی کی بات نہیں ہے بلکہ اس قسم کے تمام معاملات بیع فاسد کے زمرے میں داخل ہیں۔ جن کی مزید تفصیلات ہدایہ وغیرہ فقہی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۳۔۳۔ رسوم کی ممانعت

قدیم نظام محاصل کے تحت، حکومت اس کے کارندے، جاگیردار اور بڑے بڑے زمیندار، کسانوں سے لگان کے علاوہ ”رسوم یا رواج“ کے نام سے زائد رقم وصول کر کے ان کا استعمال کرتے تھے۔ ان کارندوں وغیرہ کے نزدیک، ان رسوم کی ادائیگی لگان سے بھی زیادہ ضروری سمجھی جاتی تھی۔ کیونکہ جب عامل لوگوں کے پاس خراج وصول کرنے کے لیے اپنے

علی و تحقیقی محلہ فقہ اسلامی ۳۷۷ رجب الاول ۱۴۳۱ھ ۵ مارچ ۲۰۱۰ء

کارندے روانہ کرتے تو ان سے کہہ دیا کرتے تھے کہ میں نے خراج وصول کرنے کے لیے تیری اتنی اجرت (مزدوری) مقرر کر دی ہے۔ مزدوری لوگوں سے وصول کر لے۔ اسی مزدوری کا نام بعد میں رسوم اور رواج، پڑ گیا تھا۔ بقول قاضی ابویوسف بعض اوقات اس کارندے کی اجرت خراج کی اصل رقم سے بھی بڑھ جاتی تھی۔ جسے وہ کارندہ کسی بھی صورت میں معاف نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اس کے بدلہ میں اگر لوگوں کی بکریاں وغیرہ جو کچھ بھی ہاتھ آتا تھا۔ ان سے زبردستی چھین کر اپنے ساتھ ہانک کر لے جاتا۔ (۳۵)

اسلامی نظام محاصل میں اس قسم کے رسوم و رواج کی کوئی گنجائش نہیں چنانچہ قاضی ابویوسف، ہارون الرشید کو صریحاً لکھتے ہیں:

”ولایوخذ منهم قدیسمنونہ رواجاً“ (۳۶)

”اور ان سے وہ رقم ہرگز وصول نہ کی جائے جو رواج کے نام سے موسوم

کی جاتی ہے۔“

قاضی اس ممانعت کی یہ توجیہ کرتے ہیں:

”وهذا كله ضرر على اهل الخراج و نقص للفنى مع ما فيه من الالم“ (۳۷)

”اور یہ سب کچھ اہل خراج کے لیے ضرر اور نقصان کا باعث ہے۔ اور

حکومت کی آمدنی کو نقصان پہنچنے کے علاوہ اس میں گناہ بھی ہے۔

ظلم وصول کیے جانے والے ٹیکسوں کا آخری نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ لوگ تحصیلداروں

کے مظالم سے بچنے کے لیے دوسرے ناجائز طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایک

طرف ٹیکسوں کے ذریعے وصول ہونے والی آمدنی، حکومت کے بیت المال میں پہنچنے کی بجائے

خورد و برد کی وجہ سے کارندوں کی جیب میں چلی جاتی ہے۔ جب کہ دوسری جانب کاشتکار وغیرہ

تنگ آ کر زراعت اور دوسرے پیدا آور اور کاروبار میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتے ہیں۔ جس کی وجہ

سے بیروزگاری میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اور ملکی پیداوار مجموعی قومی آمدن میں مزید کمی آ جاتی ہے

حتیٰ کہ سارا ملک معاشی بحران کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔

۳۔۵۔ بھینٹ کی ممانعت

اسلامی حکومت کے قیام سے پیشتر بعض علاقوں میں یہ دستور تھا کہ حکمران مختلف تہواروں پر پختہ مکانات بنانے پر یا دوسرے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل پر کاشتکاروں سے کچھ مال یا رقم وصول کرتے تھے۔ جسے انہوں نے بھینٹ کا نام دے رکھا تھا۔ یہ غلط دستور بعض مسلم ممالک میں بھی رواج پا گئے۔ جیسا کہ ابو عبیدہ قاسم بن سلام لکھتے ہیں:

”بنی امیہ میں یہ دستور تھا کہ ٹھپہ لگانے والوں کی اجرت، چاندی پگھلانے کا معاوضہ، نوروز و مہرجان کا ہدیہ وغیرہ خراج میں شامل کر کے لوگوں سے وصول کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد حکومت میں ان تمام رسوم کو ممنوع قرار دیا“ (۳۸)

عہد عباسیہ میں یہ غلط دستور کسی طرح پھر رواج پا گیا۔ جس کے بارے میں قاضی ابو یوسف کو لکھنا پڑا۔

”ولا تاخذ..... هدية النوروز والمهر جان ولا ثمن الصحف ولا

اجور الفیوج ولا اجور البیوت ولا دراهم النکاح“ (۳۹)

نوروز اور مہرجان کے ہدایا (بھینٹ) رسید لکھائی کی اجرت نہر کے پانی کی اجرت، مکان کی اجرت (ہاؤس ٹیکس) اور نکاح ٹیکس وغیرہ ہرگز وصول نہ کیا کر۔

قاضی صاحب اہل ذمہ کے بارے میں بھی ہارون الرشید کو ان الفاظ کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں:

”لا یظلموا ولا یؤذوا ولا یكلفوا فوق طاقتهم ولا یؤخذ شیئاً من

اموالهم الا بحق یجب علیهم“ (۴۰)

نہ ان پر ظلم کیا جائے، نہ انہیں ایذا دی جائے اور نہ ہی ان کی استطاعت

۳۸۔ ابو عبیدہ ”کتاب الاموال“ ج: ۱، ص: ۳۶۔ ۳۷

۳۹۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۹۳

۴۰۔ ایضاً ص: ۱۳۵

سے زیادہ بوجھ ان پر ڈالا جائے اور حق کے سوا کوئی چیز ان کے اموال سے وصول نہ کی جائے۔

فقہاء اسلام کے اقوال سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ اہل ذمہ پر صرف جزیہ و خراج کی ادائیگی لازم ہے۔ دوسرے اسلامی محاصل کی ادائیگی ان پر لازم نہیں ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ بعض غلط قسم کے محاصل کسی اسلامی حکومت میں رواج پا جائیں تو از روئے شریعت ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔

۳۔۶۔ ٹیکس کے عوض مال قرض کرنے کی ممانعت

اسلام سے قبل ٹیکس کی وصولی کے سلسلہ میں ظلم و زیادتی کی ایک صورت ٹیکس کے بدلہ میں مال قرق کرنے کا دستور تھا چنانچہ اگر کاشت کار پیداوار میں کمی واقع ہو جانے کی وجہ سے مقررہ لگان ادا کرنے کے قابل نہ رہتا۔ گویہ کمی کسی قدرتی آفت یا کسی دیگر معقول عذر کی بنا پر ہوتی۔ مگر حکومت یا علاقہ دار پھر بھی اس کے زراعتی آلات بل، تیل یا گاڑی وغیرہ ضبط کر کے یا اس کے دوسرے مال اسباب اور ضروریات زندگی کو نیلام کر کے اپنا ٹیکس وصول کر لیا کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے کاشتکار بے دست و پا بن کر آئندہ روزی کمانے کا اہل نہ رہتا۔

خلفائے اسلام نے اس دستور کا سختی سے نوٹس لیا۔ اور اپنے عاملین کو حکم جاری کیا کہ وہ لگان واجب ہونے کے باوجود کاشتکاروں کے آلات زراعت اور ضروریات زندگی کو کسی بھی صورت میں نیلام نہ کریں۔ اس کی مثال حضرت علیؓ کا وہ فرمان ہے جو انہوں نے عکبری کے عامل کو بھیجا تھا۔ آپؓ نے انہیں لکھا:

”دیکھو! خراج وصول کرنے کے لیے نہ تو ان کا گدھا فروخت کرنا۔ نہ گائے نہ تیل۔ اور نہ ان کا گرمی کا لباس بیچنا اور نہ ان کے سردی کے کپڑے۔ ان سے نرمی برتنا اور حتی الامکان ان کی سہولت کا خیال رکھنا“ (۴۱)

محاصل کے بارے میں اسلام کی معاشی پالیسی کو کافی مدت کے بعد کچھ آج ہی ماہرین اقتصادیات سمجھ پائے ہیں۔ اب وہ بھی یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ ٹیکس اس قدر بھاری نہ

علمی و تحقیقی مجلہ فقہ اسلامی ﴿۲۰﴾ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ ☆ مارچ ۲۰۱۰ء

ہوں جس کی وجہ سے کسی شخص کی پیداواری صلاحیت متاثر ہو کر اس کی کاروباری زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے۔

۳۔۷۔ حمی کی ممانعت

حمی سے مراد وہ افتادہ سربز و شاداب سرکاری زمین ہے جسے کوئی فرد بعوض ٹیکس یا بلا ٹیکس سرکار کی اجازت سے محفوظ کر لیتا ہے۔ جس سے وہ خود تو فائدہ اٹھا سکتا ہے مگر دوسرے لوگوں کو قانوناً فائدہ اٹھانے سے باز رکھ سکتا ہے۔ ہماری اردو وغیرہ زبانوں میں اسے ”راکھا“ کہا جاتا ہے۔ اسلام سے قبل یہ دستور تھا کہ حکومت کسی بڑے زمیندار کو اجازت دے دیتی تھی کہ وہ کسی سرکاری زمین کو حمی بنا کر اس سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ چونکہ اس قسم کی حمی سے عوام بالخصوص غریب کاشتکاروں کو کافی دقت پیش آتی تھی۔ ان کے جانوروں کے گھاس چارہ کے ذرائع محدود ہو جاتے تھے۔ اس وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے حمی کو ممنوع قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لاحمی الا للہ ولرسولہ۔ (۴۲)

”حمی کی حد بندی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے لیے روا نہیں ہے۔“

چنانچہ مندرجہ بالا فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فقہاء مخصوص لوگوں کے لیے حمی بنانا ناجائز قرار دیتے ہیں۔ البتہ اس فرمان کی رو سے وہ خلافت (حکومت) کے لیے، جہاد اور صدقات کے جانوروں کی چرائی کی خاطر حمی بنانا جائز بتاتے ہیں اور اگر بارش کی کمی یا کسی دوسری آفت کی وجہ سے عام لوگوں کے مویشیوں کے گھاس چارہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ تو فقہاء اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ سرکاری حمی عام لوگوں کے مفاد کی خاطر کھلی چھوڑ دی جائے۔ فقہاء اس قول کو حضرت عمرؓ کے اس حکم پر محمول سمجھتے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام ہنی کو دے رکھا تھا۔ کہ غریب عوام سرکاری چراگاہ میں اپنے مویشی چرا لیا کریں تاکہ انہیں بیت المال سے زیادہ تاوان ادا کرنے کی نوبت نہ آئے۔ البتہ امراء کے لیے انہوں نے اجازت

۴۲۔ البخاری، متن البخاری، ج ۲: ۵۳

نہیں دی۔ کیونکہ ان کے پاس گزر بسر کے دیگر کئی ذرائع ہوتے ہیں۔ (۴۳)
حضرت عمرؓ کے اس فرمان میں ان کی بالغ انٹھری کے دو عنوان ہمارے سامنے آتے ہیں:

- ۱۔ چھوٹا نقصان برداشت کر کے قومی خزانے کو بڑے نقصان سے بچانا۔
 - ۲۔ امراء (مخصوص طبقہ) کے مفاد پر غریب (عوام) کے مفادات کو ترجیح دینا۔
- حضرت عمرؓ کی پالیسی موجودہ حکومتوں کی مالیاتی پالیسی کے یکسر مختلف نظر آتی ہے۔ دور حاضر میں حکومت کو اپنی مترقّانہ طرز زندگی کی بناء پر اتنی فراغت حاصل نہیں ہوتی کہ وہ دور اندیشی سے کام لے کر غریب عوام کی قبل از وقت خبر لے سکے۔ جب رعایا پر کوئی بلایا آفت نازل ہوتی ہے۔ تب وہ اپنے خزانہ کا دہانہ اس کے لیے کھولتی ہے۔ جس سے غریب کم اور امیر زیادہ مستفید ہو جاتے ہیں اور ساتھ قومی خزانہ کا بھی کافی نقصان ہو جاتا ہے۔

غریب عوام اگر فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے ہوں تو حکومت کو ان کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ جب کہ سرمایہ داروں کے کارخانوں کو نقصان سے بچانے کے لیے سرکاری قرضوں تک کو معاف کر دینا، اس کے لیے آسان ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ سرکاری قرضے قومی دولت سے دیئے گئے ہوتے ہیں۔ جس میں تمام رعایا برابر کی شریک ہوتی ہے۔ سرمایہ داروں کے کارخانے اگر بند بھی ہو جائیں وہ پھر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔ ان کے پاس گزر بسر کے کئی دیگر ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ جب کہ اگر کسی غریب کی کھپاٹ جائے تو اس کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ کے محولہ بالا فرمان کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہاء کہتے ہیں۔ کہ خاص لوگوں کے لیے حمی بنانا جائز نہیں ہے۔ البتہ عام مسلمانوں یا فقراء و مساکین کے موشیوں کے لیے

۴۳۔ قاضی ابو یوسف ہشام بن سعد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام حنی کو سرکاری چراگاہ کا گھرانہ مقرر کیا تو اسے یہ فرمان سنایا:

”ولا یحک یا ہنی! اضمنم جناحک عن الناس واتق دعوة المظلوم فان دعوتہ مجابة ادخل لی رب الصریمۃ العنیمۃ و دعنی من نعم عمان بن عفان و ابن عوف، فان ابن عفان و ابن عوف ان هلکت ماشیہما رجعا الی المدینۃ الی نخل و زرع وان هذا المسکین ان هلکت ماشیہ جانی یصحیح یا امیر المومنین! یا امیر المومنین! والماء و الطلاء اھون علی من اعزم له ذھبا او ورقا (کتاب اخراج ص: ۱۱۳)

حی بنائے کی گنجائش ہے۔ (۴۳)

۳-۸۔ عام استعمال کی اشیاء روک رکھنے کی ممانعت

زمانہ قدیم میں ایک غلط دستور یہ بھی رائج تھا کہ زمیندار عام استعمال کی بعض اشیاء مثلاً خود روگھاس تالاب اور کنوؤں کے پانی، خود رو درختوں کی خشک لکڑی وغیرہ پر قبضہ کر لیتے تھے اور دوسرے لوگوں کو ان سے نفع اٹھانے نہیں دیتے تھے۔ اسلام نے اس قسم کی روک ٹوک کو ممنوع قرار دیا۔ اور عام استعمال کی اشیاء سب انسانوں میں مشترک قرار دیں۔ البتہ اگر کوئی شخص محنت کر کے، کوئی چیز کاشت کرے یا لکڑی وغیرہ کاٹ کر اپنے قبضہ میں لے آئے تو اس محنت و مشقت کی وجہ سے وہ چیز اس کی ملکیت قرار پائے گی۔ مثلاً گھیارے گاگھاس کاٹ کر اپنے قبضہ میں لے آنا۔ یا بھہ کا اپنی مشک میں پانی بھر کر اس کا مالک ہو جانا وغیرہ۔ ورنہ بالعموم یہ تمام اشیاء درج ذیل حدیث کی بناء پر عام لوگوں کے استعمال کے لیے وقف سمجھی جائیں گی:

”والمسلمون شركاء في ثلاث: في الماء والكلاء والنار“ (۴۵)

تمام مسلمان تین اشیاء، پانی گھاس اور سوختہ میں برابر کے شریک ہیں۔

سرکاری چراگاہوں کے علاوہ بقول قاضی ابو یوسف اگر کسی اہل بستی کی اپنی مخصوص چراگاہ ہو جس میں انہیں کلی تصرفات حاصل ہوں حتی کہ وہ اس چراگاہ کو بیچنے کے بھی مجاز ہوں۔ مگر انہیں یہ حق پھر بھی حاصل نہیں ہوگا کہ وہ کسی دوسری بستی والوں کو اس چراگاہ کے خود روگھاس اور پانی سے منع کر سکیں۔ (۴۶)

مندرجہ بالا چند شواہد سے اسلامی حکومت کے محاصل کے بارے میں یہ پالیسی واضح

نظر آتی ہے:

(الف) نظام محاصل آسان، سہل الحصول اور قابل عمل ہو۔

(ب) محاصل کی تشخیص و تحصیل کا طریقہ کار ایسا ہو جس کی بدولت رعایا کی مرفہ الحالی میں اضافہ ممکن ہو۔ اور لوگ اس کے بوجھ تلے زندگی سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

۴۳۔ الماوردی، ”الاحکام السلطانیہ“ ص ۲۹۶

۴۵۔ ابو داؤد، سلیمان بن اھب، استیعانی، سنن ابی داؤد، ج: ۲، ص: ۱۳۶

۴۶۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۱۱۱

(ج) محاصل اس قسم کے نہ ہوں کہ تاجر اور کاروباری لوگ اصل (Investment) کی بجائے ناجائز نفع خوری، چور بازاری اور بددیانتی پر آمادہ ہو جائیں۔

خلاصہ بحث

ہماری اس تمام بحث کا لب لباب یہ ہے:

۱۔ جدید ٹیکسیشن سسٹم ان ہی خطوط پر استوار کیا گیا ہے جن خطوط پر قدیم روم و ایران اور ان کے ماتحت علاقوں میں محاصل کا نظام قائم تھا۔ پرانے زمانہ کے ٹیکس زیادہ ظالمانہ اس وجہ سے نظر آتے تھے کہ وہ غلاموں، کسانوں اور غریب کاروباری لوگوں سے وصول ہو کر، حکمرانوں کی عیش و عشرت کا سامان بنتے تھے۔ مگر اب ان ٹیکسوں میں قدرے رواداری یوں پیدا کر دی گئی ہے کہ یہ ٹیکس کاروباری لوگوں کے ساتھ امیروں اور سرمایہ داروں سے بھی وصول کیے جاتے ہیں۔

لیکن اگر ان ٹیکسوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات صاف دکھائی دے گی کہ ان میں سے اکثر ٹیکسوں کا بوجھ غریب صارفین ہی کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج امیر امیر تر اور غریب غریب تر بنتے جا رہے ہیں۔

۲۔ مدینہ منورہ میں ایک پائیدار حکومت قائم کرنے کے بعد، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ایک ایسے جدید معاشی نظام سے روشناس کیا، جس کی نظیر رہتی دنیا تک کبھی بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے مروجہ نظام محاصل کے بالکل برعکس، ٹیکس کا بوجھ غریبوں کے سر سے اٹھا کر امیروں کے کندھوں پر ڈال دیا۔ اور امیروں کی دولت میں غریبوں کا حصہ بصورتِ زکوٰۃ، عشر اور صدقات وغیرہ مقرر فرما دیا۔ جس کی بدولت معاشرہ میں موجود طبقاتی فرق ایک فطری انداز میں کم ہونے لگا۔

۳۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں جب ملکی سرحدات وسیع ہو گئیں۔ وہ علاقے جو بازنطینی یا ایرانی حکومت کے زیر تسلط تھے۔ اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے۔ ان علاقوں میں تحصیل محاصل کے سلسلہ میں جتنے قسم کے مظالم رواج پا چکے تھے۔ اہل اسلام نے ان کا سختی سے نوٹس لے کر انہیں ناجائز قرار دیا۔

۴۔ اہل اسلام نے ٹیکس کے بارے میں یہ پالیسی اختیار کی کہ ٹیکس کی تشخیص اس انداز میں ہو جس سے ٹیکس دہندگان کی کاروباری صلاحیت و رغبت متاثر نہ ہو، اور نتیجتاً مجموعی قومی آمدن میں کمی واقع نہ ہو۔ ورنہ بصورت دیگر ان کا لازمی اثر یہ ہوتا کہ بیت المال میں محاصل کے ذریعہ جمع ہونے والی آمدنی میں بھی اسی شرح سے کمی واقع ہو جائے گی۔

۵۔ بعض اوقات اگر حکومت کو عوام کی خاطر کوئی نقصان اٹھانا پڑتا تو وہ کسی بڑے نقصان سے بچنے کی خاطر، اس نقصان کو ہلکا سمجھ کر اسے برضا و رغبت برداشت کر لیتی تھی۔

۶۔ معاشی پالیسی وضع کرتے وقت مخصوص طبقہ کے مفاد کی بجائے عوامی مفاد کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔
متذکرہ حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے، ہمارا یہ دعویٰ بے جا نہیں ہے کہ انسانیت کی فوز و فلاح۔ انتہاء پسند معاشی نظاموں کی بجائے فقط اسلام کے عادلانہ معاشی نظام ہی میں مضر ہے۔ آج بھی اگر ٹیکس کے نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے تو معاشرے سے طبقاتی فرق کو فطری انداز میں کم کر کے اسے ایک مثالی معاشرہ میں بدلا جاسکتا ہے۔ اور دنیا کو معاشی مجرانون سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔



سنی ڈائری

2010

شائع کردہ : عمران حسین چوہدری

ناشر: سنی فاؤنڈیشن بریڈ فورڈ یو کے۔ پوسٹ بکس نمبر 709 لاہور

علم و ادب، اقوال و زرین، ارشادات بزرگان دین، معروف سنی علماء کے بیانات، فون نمبر زاور پتے